دہلیز ۲

موجودگی ہی کافی ہے

اپنی زندگی کے بڑے حصے میں میں یہ سمجھتا رہا کہ آدمی کی قیمت اس سے ناپی جاتی ہے جو وہ کر دکھاتا ہے۔

یہ ایک معقول یقین تھا۔

دنیا جیسے جان بوجھ کر اسی کی تصدیق کے لیے بنی ہو۔

ہم سے نتائج مانگے جاتے ہیں۔

اعداد۔

اہداف۔

کارکردگی۔

سنگِ میل۔

ہر نظام کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں۔

ہر ادارے کی اپنی درجہ بندیاں ہوتی ہیں۔

ہر دور کامیابی ناپنے کا نیا طریقہ ایجاد کرتا ہے۔

اور تقریباً ہمیشہ یہ پیمانہ اسی پر ٹکتا ہے جو دکھائی دیتا ہے۔

شاذ و نادر اس پر جو باقی رہ جاتا ہے۔

مگر سال گزرنے کے ساتھ مجھے ایک عجیب بات نظر آنے لگی۔

جو لوگ مجھے سب سے زیادہ یاد رہے وہ تقریباً کبھی وہ نہیں تھے جنہوں نے سب سے شاندار نتائج حاصل کیے۔

مجھے دوسرے لوگ یاد رہے۔

وہ جو قریب رہے۔

وہ جنہوں نے سنا۔

وہ جنہوں نے وقت نکالا۔

وہ جو موجود رہے۔

انسانی یادداشت اپنی ظاہری شکل سے کم متاثر ہونے والی ہے۔

دہائیوں بعد اسے صرف یہ یاد نہیں رہتا کہ تم نے کیا کیا۔

اسے یہ یاد رہتا ہے کہ تم نے دوسروں کو کیسا محسوس کرایا۔

اور اس دریافت نے بہت کچھ بدل دیا۔

یہ آہستہ آہستہ ہوا۔

جیسے ہر اصلی تبدیلی ہوتی ہے۔

کوئی اچانک انکشاف نہیں ہوا۔

سیکڑوں چھوٹے چھوٹے واقعات ہوئے۔

معمولی۔

تقریباً غیر مرئی۔

ایک دوست جو بغیر بلائے آ جاتا ہے۔

ایک شخص جو مشکل لمحے میں تمہارے پاس بیٹھا رہتا ہے۔

گھر کا ایک فرد جو مسئلہ حل نہیں کر سکتا مگر پھر بھی بوجھ بانٹنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

ان سب صورتوں میں کچھ ایسا ہوتا ہے جو اعداد نہیں ناپ سکتے۔

موجودگی طاقت پیدا کرتی ہے۔

اس لیے نہیں کہ وہ درد مٹا دیتی ہے۔

اس لیے کہ وہ تنہائی کو مکمل ہونے سے روک دیتی ہے۔

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مدد کا مطلب حل ڈھونڈنا ہے۔

اب مجھے اس پر یقین نہیں رہا۔

جن لوگوں نے میری اصل مدد کی، ان کے پاس ہمیشہ جواب نہیں ہوتے تھے۔

اکثر ان کے پاس صرف ساتھ رہنے کی آمادگی ہوتی تھی۔

اور وہ کافی تھی۔

جوانی میں ہم سمجھتے ہیں کہ قیمت عمل میں ہے۔

وقت کے ساتھ پتہ چلتا ہے کہ قیمت اکثر ٹھہر جانے میں ہے۔

وہاں ہونا۔

بھاگ نہ جانا۔

دھیان نہ بھٹکانا۔

کسی اور کے سپرد نہ کرنا۔

غائب نہ ہو جانا۔

موجود رہنا۔

یہ کم لگتا ہے۔

یہ ہرگز کم نہیں۔

ہم ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جو رابطوں سے بھرا ہوا اور موجودگی سے اکثر خالی ہے۔

ہم چند سیکنڈ میں کسی تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

ہم سیارے کے کسی بھی حصے میں پیغام بھیج سکتے ہیں۔

ہم مسلسل بات کر سکتے ہیں۔

پھر بھی بہت سے لوگ پہلے سے زیادہ تنہا محسوس کرتے ہیں۔

شاید اس لیے کہ موجودگی ٹیکنالوجی کا معاملہ نہیں ہے۔

یہ انسان کا معاملہ ہے۔

موجودگی توجہ مانگتی ہے۔

اور توجہ ہمارے زمانے کے نایاب ترین وسائل میں سے ایک بن چکی ہے۔

مجھے اپنی زندگی کے کچھ ادوار یاد ہیں جن میں مجھے مشورہ نہیں چاہیے تھا۔

مجھے حکمتِ عملی نہیں چاہیے تھی۔

مجھے جواب نہیں چاہیے تھے۔

مجھے ساتھ چاہیے تھا۔

کوئی جو راستے کا ایک ٹکڑا ساتھ چلنے کو تیار ہو۔

کوئی جو یہ کہنے کو تیار ہو:

"مجھے نہیں معلوم یہ کیسے ختم ہوگا، مگر تم اکیلے اسے عبور نہیں کرو گے۔"

یہ جملے واقعات نہیں بدلتے۔

یہ ہمیں بدل دیتے ہیں۔

اور یہ کہیں زیادہ اہم ہے۔

میں نے برسوں ایسے ماحول میں کام کیا جہاں ہر چیز ناپی جاتی تھی۔

کارکردگی۔

مارکیٹ کا حصہ۔

ترقی۔

پیداواریت۔

پھر بھی جو سب سے قیمتی چیزیں مجھے ملیں، وہ کسی رپورٹ میں نہیں آئیں۔

اعتماد۔

وفاداری۔

سماعت۔

قربت۔

ان میں سے کوئی چیز آسانی سے کسی جدول میں نہیں سماتی۔

پھر بھی یہی انسانی زندگی کا بڑا حصہ سنبھالے ہوئے ہیں۔

موجودگی بھی اسی طرح کام کرتی ہے۔

جب وہ ہو تو دکھائی نہیں دیتی۔

جب نہ ہو تو صاف نظر آتی ہے۔

ہوا کی طرح۔

صحت کی طرح۔

کچھ محبتوں کی طرح۔

ان کی قدر ہمیں سب سے زیادہ اُس وقت ہوتی ہے جب وہ دستیاب نہیں رہتیں۔

عمر کے ساتھ میں نے وہ سبق سیکھا جو کسی کتاب نے نہیں سکھایا تھا۔

بہت سے مسئلے فوراً حل ہونے کا تقاضا نہیں کرتے۔

وہ عبور کیے جانے کا تقاضا کرتے ہیں۔

اور جب کسی مسئلے کو عبور کرنا ہو تو موجودگی مہارت سے زیادہ قیمتی ہے۔

یہ جملہ عجیب لگ سکتا ہے۔

مگر جس نے کوئی بڑی آزمائش جھیلی ہو، وہ اسے فوراً سمجھ جاتا ہے۔

کوئی وضاحت نقصان کو ختم نہیں کرتی۔

کوئی حکمتِ عملی بیماری کو ختم نہیں کرتی۔

کوئی نظریہ غیرحاضری کو ختم نہیں کرتا۔

کچھ حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان کو درست کیے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسے ساتھ دیے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس دریافت نے دوسروں کے ساتھ میرے برتاؤ کا انداز بھی بدل دیا۔

میں نے ہر چیز کا حل ڈھونڈنے کی ذمہ داری محسوس کرنا چھوڑ دیا۔

میں نے خاموشی کو ناکامی سمجھنا چھوڑ دیا۔

میں نے یہ ماننا چھوڑ دیا کہ میری قیمت دنیا کو ٹھیک کرنے کی صلاحیت پر ہے۔

اس کے بجائے میں ایک اور خوبی پالنے لگا۔

دستیابی۔

دستیاب رہنا۔

گھر والوں کے لیے۔

دوستوں کے لیے۔

نازک لوگوں کے لیے۔

جو کوئی کسی مشکل سے گزر رہا ہو، اس کے لیے۔

جسے سنے جانے کی ضرورت ہو، اس کے لیے۔

یہ کم چمکدار ہنر ہے۔

مگر بےحد زیادہ کارآمد۔

پیچھے مڑ کر دیکھوں تو سمجھ آتا ہے کہ میری زندگی کے سب سے اہم لمحوں میں اکثر ایک بات مشترک تھی۔

کوئی موجود تھا۔

کبھی وہ میں تھا۔

کبھی وہ دوسرے تھے۔

مگر ایک موجودگی تھی۔

ایک خاموش موجودگی۔

غیرنمایاں۔

بےجا دخل دیے بغیر۔

ایسی موجودگی جو کچھ نہیں مانگتی تھی۔

جو کوئی اعتراف نہیں چاہتی تھی۔

جو کوئی داد نہیں ڈھونڈتی تھی۔

وہ بس تھی۔

رات میں کسی کھڑکی میں جلتی روشنی کی طرح۔

شاید پختگی اسی میں بھی ہے۔

یہ سمجھ لینا کہ ہمیں ہر روز غیرمعمولی ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہمیں دنیا بچانی نہیں ہے۔

ہمیں سب کو قائل نہیں کرنا۔

ہمیں ہر جنگ جیتنی نہیں۔

کبھی ہمیں بس وہاں ہونا ہوتا ہے۔

سچ مچ۔

اپنی پوری توجہ کے ساتھ۔

اپنی پوری انسانیت کے ساتھ۔

اپنی پوری نامکملیت کے ساتھ۔

کیونکہ لوگ بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔

وہ الفاظ بھول جاتے ہیں۔

وہ تاریخیں بھول جاتے ہیں۔

وہ اہم واقعات تک بھول جاتے ہیں۔

مگر وہ کم ہی بھولتے ہیں کہ ضروری لمحے میں ان کے ساتھ کون کھڑا رہا۔

آخر میں، کام، سفر، کامیابیاں، نقصان، تبدیلیاں اور گزرا ہوا وقت — ان سب کے بعد ایک حیرت انگیز حد تک سادہ سچائی باقی رہ جاتی ہے۔

ہم ہمیشہ نہیں بدل سکتے کہ کیا ہو رہا ہے۔

ہم ہمیشہ شفا نہیں دے سکتے۔

ہم ہمیشہ بچا نہیں سکتے۔

ہم ہمیشہ سمجھ نہیں سکتے۔

مگر ہم وہاں ہو سکتے ہیں۔

اور اپنے گمان سے کہیں زیادہ بار، موجودگی ہی کافی ہوتی ہے۔